مولانا سیف اللہ
مدرس مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی

حضرت شیخ کی قرآنی بصیرت

الکرب مجتمع والصبر مفترق
والقلب محترق والدمع مستبق

اس رنگ وبو کے عالم میں تو ہر شے پر فنا کا آرا چلے گا، ہر چیز اپنا محدود وقت گذار کر فنا ہوگی کل من علیھا فان کا موجبہ کلیہ خدا تعالیٰ کے علاوہ ہر ہر فرد پر پورا پورا منطبق ہوگا یہ قدرت کی وہ حقیقت ہے جسے نسل انسانی کا ہر طبقہ قبول کرنے پر مجبور ہے مگر خلق خدا میں کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہوا کرتے ہیں جن کا وجود مخلوق کے لئے رحمت کا باعث ہوتا ہے جو اپنے وقت میں نہ صرف دین حق کے محافظ ہوتے ہیں بلکہ اس دین حق کے ماننے والوں کے عقائد ونظریات کے بھی محافظ ہوتے ہیں ایسی ہی خوش بخت جماعت کے ایک رکن استاد محترم ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحبؒ تھے استاد محترمؒ دین اسلام کے پاسبان اور اہل اسلام کے نہ صرف عقائد واعمال کے بلکہ ان کے جغرافیائی ونظریاتی سرحدات کے بھی نگہبان تھے، (رحمہ اللہ رحمۃ اللہ واسعہ)

بحر علم سے پہلی سیرابی

تقریبا سولہ سترہ سال پہلے کی بات ہے جب بندہ درجہ ثالثہ سے فارغ ہوا تو سالانہ تعطیلات میں دورہ تفسیر کی غرض سے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک حاضر ہوا اس وقت جیسی عمر چھوٹی تھی تو احساسات وخیالات اس سے کہیں زیادہ چھوٹے تھے، اس حقیقت سے نا آشنا تھے کہ دورہ تفسیر پڑھانے کے لئے جو ہستی آتی ہے اسے دنیا تو محض شیر علی شاہ صاحب کے نام سے یاد کرتی ہے مگر وہ درحقیقت علم وعمل حکمت ودانش زہد واستغنا، صدق ووفا دینی حمیت وشجاعت جود وسخا کا پیکر مجسم ہے.....

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

بندہ ناچیز کی خوش قسمتی تھی کہ دورہ تفسیر میں طلبہ کے عظیم تر ہجوم کے باوجود اپنے سرپرست کی تگ ودو سے استاد محترم کے بالکل سامنے نشت پر بیٹھنے میں کامیاب ہوا اور دورہ تفسیر کے اختتام تک یہی نشت برقرار رہی، ظاہر ہے کہ استاد کی نظروں کے سامنے بیٹھے طالب علم کو لاپرواہی اور غفلت برتنے کی گنجائش کم ہوتی ہے اس لئے استاد محترمؒ کے پورے دروس کو سنا اور بڑے شوق سے سنا۔

مقبول عرش محبوبِ فرش

حقیقت یہ ہے کہ عبدیت وفنائیت ،تعلق مع اللہ ،اتباع سنت اور ہر ہر موقع پر رضائے الٰہی کی طلب وجستجو نے استادمحترمؒ کو اول عرش پر قبول ومقبول بنا کر پھر فرش پر ثم یوضع له القبول فی الارض ''پھر اسے زمین پر قبولیت دی جاتی ہے'' کا پورا پورا مظہر بنادیا تھا یہی وجہ تھی کہ حضرت استادمحترمؒ کے دورہ تفسیر کے لئے دوردراز سے طلبہ اٹڈاٹڈ کے آتے تھے اور کلام الٰہی کے معانی ومفاہیم ،احکام وحکم سے شفائے قلب پاکر واپس چلے جاتے تھے۔

حضرت استادمحترمؒ کا درس تفسیر متنوع علوم وفنون پر مشتمل ہوتا تھا وہ جب نحوصرف ،علم فصاحت وبلاغت ،عربی ادب ولغت ،فقہ اور اصول فقہ ،قرآن کریم کے اسلوب وطرز بیان میں پنہان عمل وحکم بیان فرماتے تو حیرانگی کے ساتھ ساتھ یہ احساس بھی دامن گیر ہوجاتا تھا کہ شاید استادمحترمؒ اسی ایک فن کے امام ہیں بارہا سنا اور دیکھا کہ قرآن کریم کی کسی آیت سے متعلق اگر کسی فن کا مسئلہ متعلق ہوتا تو استادمحترمؒ طلبہ کے افادہ علمی کی غرض سے اس فن میں منتقل ہوجاتے اور زیر بحث آیت سے متعلق مختصر فنی بحث فرماتے جس سے ہم طلبہ کو بہت فائدہ ہوتا تھا۔

اصاغر نوازی اور طلباء کی حوصلہ افزائی

استادمحترمؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ قریب بیٹھے طلبہ سے آسان آسان نحوی وصرفی سوالات پوچھتے تھے اور جواب ملنے پر خوش ہوکر بہت حوصلہ افزائی فرماتے تھے،اس سلسلے میں بہت باتیں یاد ہیں تاہم ایک مختصر قصہ ذکر کرتا ہوں ۔''سورۃ سبا'' کی تفسیر چل رہی تھی تو لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ (سورۃ سبا : ۱۵) میں سوال کا رخ میری طرف کرکے پوچھا کہ ''جنتن'' آیۃ سے بدل ہے جبکہ وہ مرفوع ہے اور جنتن کے آخر میں کسرہ ہے جبکہ بدل ومبدل منہ کا اعراب ایک ہوتا ہے؟ بندہ نے برجستہ جواب دیا کہ جنتن تثنیہ ہے اور اس کا رفع الف کے ساتھ ہوتا ہے جواب سن کر بہت خوش ہوئے اور حوصلہ افزائی ایسی فرمائی جس کی شیرینی آج بھی محسوس کررہا ہوں شاید شاعر نے استادمحترمؒ ہی کے لئے کہا تھا .....

نہ تنہا چشم محو لذت دیدار ہوتی ہے کہ تسکین دل وجان ان کی ہر گفتار ہوتی ہے

مؤثر کتاب کی پراثر تدریس

یہ حقیقت اہل نظر کے ہاں مسلم ہے کہ قرآن کریم نہ صرف مریض قلوب کے لئے نسخہ شفایاب بلکہ ہر بے عمل وبدعمل ،بے عقیدہ وبدعقیدہ اور ہر باغی وطاغی کی اصلاح کرکے اسے انابت وعبدیت کی راہ پر ڈالنے والی عظیم انقلابی کتاب ہے مگر اس کے پڑھانے والے کے لئے لازم ہے کہ اس کی فکری ونظریاتی اور عملی زندگی قرآن کریم کے مزاج ومذاق سے ہم آہنگ ہو بایں ہمہ اوصاف سے موصوف شخص کا درس قرآن انقلاب کا ضامن ہوتا ہے ہمارے

استادمحترمؒ ایسے ہی تھے ان کو نہ صرف قرآن کریم سے جنون کی حدتک عشق تھا بلکہ ان کی پوری زندگی قرآن پر عمل سے عبارت تھی یہی وجہ تھی ان کے درس قرآن میں شریک ہونے والے پر قرآن کے بابرکت پیغام کا سحر انگیزی کی حدتک اثر ہوتا تھا کم از کم بندہ ناچیز اپنی حدتک پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ استادمحترمؒ کے دورہ تفسیر کے بعد اپنے دل ودماغ میں علمی وفکری تبدیلیاں محسوس کیں اور بابرکت وانقلابی دروس سے دل کو جلا نصیب ہوئی اور فکرونظر کو نیا رخ ملا۔

محدث عصر مفسر وقت میدان جہاد میں

استادمحترمؒ کو قدرت کی طرف سے حساس قلب عطا ہوا تھا جو اپنے رب تعالیٰ کی معرفت ومحبت سے سرشار تھا اور ان کا قلب اللہ تعالیٰ کے احکامات پر ان کی رضا ومنشا کے عین مطابق عمل کرنے کے جذبات سے معمور تھا، یہی وجہ تھی کہ سرزمین افغانستان پر جب روس نے شب خون مارا اور ان کے بعد امریکہ نے اپنا لاولشکر لے کر افغانستان میں کشت وخون کی ہولی کھیلی تو ہر بار استادمحترمؒ مظلوم کی حمایت ونصرت کے لئے بنفس نفیس حاضر ہوئے اور اپنی جان کو خاطر میں لائے بغیر وقت کے فرعونوں کے ساتھ نبرد آزما رہے اور ہر محاذ پر ان کے خلاف قائدانہ وعالمانہ کردار ادا کرتے رہے انہی اولوالعزم شخصیات کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ایک سپر طاقت پاش پاش ہوکر اپنے انجام بد کو پہنچا اور دوسری سپر طاقت اپنے انجام بد سے کچھ فاصلے پر ہے پاکستان میں بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیشہ دینی تحریکات کا ساتھ دیا اور دینی مساعی وجہود میں حصہ لے کر احقاق حق وابطال باطل کا فریضہ ادا کیا۔

اہل حق کے جنازے یوں اٹھا کرتے ہیں

اخبارات ورسائل اور عینی شاہدین کے بیان کے مطابق حضرتؒ کی نماز جنازہ میں لاکھوں فرزندان توحید نے شرکت کی اور ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ تھی جو حضرتؒ کی شخصیت یا واقفیت کی بناء پر نہیں بلکہ اپنی بخشش کی نیت سے نماز جنازے میں شریک ہوئے تھے، ملک کے بعض ممتاز کالم نگار نے لکھا کہ پاکستان کی تاریخ کا بڑا جنازہ تھا حضرت رحمہ اللہ کی نماز جنازہ کو دیکھ کر بجا طور پر امام عزیمت امام احمد بن حنبلؒ کا مقولہ یاد آجاتا ہے کہ اہل حق کے جنازے ان کے برحق ہونے کو آشکارا کریں گے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت استادمحترمؒ کی حقانیت پر دنیا کو یہ منظر بھی دکھایا کہ جب استادمحترمؒ کو دفنایا تو منوں مٹی تلے سے خوشبو کی عجیب مہک پھوٹ پڑی جسے ہزار لوگوں نے محسوس کیا گویا حضرت نے اس امت کو اپنا آخری پیغام دیا کہ ہم جس راستے کے راہی تھے یعنی علوم نبوت کی نشر واشاعت حق کی حمایت باطل سے بغاوت، مظلوم کی فریاد رسی کا راستہ غلط نہ تھا لہٰذا اس راہ پر چلنے والوں کو دقیانوس انتہاپسند، جاہل اور متعصب کہنا غلط ہے۔ راقم کو حضرت استادمحترمؒ کے ساتھ اور بھی بہت سی یادیں وابستہ ہیں مگر ڈرتا ہوں کہ ''الحق'' کے قارئین میرے بے ربط جملوں سے مزید بدمزہ نہ ہوں اس لیے انہی معروضات پر اختتام کرتا ہوں۔